غزوات النبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

ORIENTALISTS AND BATTLES OF PROPHET MUHAMMAD

Dr.Arshad Munir*, Abdul Hamid Arain**, Dr. Karim Dad***

The Scholar Islamic Academic Research Journal || Web: www.siarj.com ||

P. ISSN: 2413-7480 || Vol. 4, No. 1 || January -June 2018 || P. 71-84

DOI: 10.29370/siarj/issue6ar5

URL: https://doi.org/10.29370/siarj/issue6ar5

License: Copyright c 2017 NC-SA 4.0

ABSTRACT:

With the down of Qūreṣḥ of Mākkāḥ and other non-believers stood against Islam and started propagations against Prophet Muhammad (peace be upon him). In the result of propagation Non-believers attacked on Muslims and Prophet himself also.To save Muslims and Islam from their propagation Prophet fought wars against them in self-defence. During life span of Prophet (peace be upon him) 86 deputations were sent, these are called 'ṣīryā سِریہ' and in which expeditions Prophet himself took part these are called 'Gḥāẓwāṭ غزوات', total ghazwat are 28. Westerns still are propagating that Islam spread with these wars. Prophet

* Associate Professor/Chairperson, Department of Islamic Studies University of Gujrat, Pakistan. Email: amleghari@gmail.com

** Government Sachal Sarmast Arts & Commerce College, Hyderabad, Pakistan. Email: arainhameed@gmail.com

*** Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan, Pakistan.

Email: karim_dad@awkum.edu.pk

(peace be upon him) attacked non-Muslims and compelled them to accept Islam, this is the only cause of spreading of Islam. There is nothing in bottom of this propagation. If we consider the history and autobiography of Prophet Muhammad (peace be upon him) and review this propagation critically. We find that these wars were fought only in self-defense, to protect innocent and poor people and keep peace in the territory.

Keywords: Orientalists, Battles of Prophet Muhammadﷺ, self-defence, propagation, Islam.

کلیدی الفاظ: مستشرقین، غزوات النبی، دفاع، اعتراضات، اسلام

تعارف:

اشراق کا مفہوم:

مغرب کے رہنے والے علماء و مفکرین جب مشرقی علوم وفنون پر تحقیق و تفتیش کریں تو اسے استشراق کہا جاتا ہے۔اور انھیں مستشرقین کہا جاتا ہے۔ عام طور پر ان علوم و فنون میں ہر قسم کے علوم شامل کیے جاتے ہیں۔مثلاً ، عمرانیات، تاریخ، بشریات، ادب، لسانیات، معاشیات، سیاسیات، مذہب وغیرہ۔ایڈورڈ اس وید اپنی کتاب میں اشتراقیت کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شرق شناسی (استشراق) ایک سیاسی موضوع ہی نہیں یا صرف ایک شعبہ علم ہی نہیں، جس کا اظہار تمدن، علم یا اداروں کی صورت ہوتا ہے۔نہ یہ وسیع و عریض مشرق کے بارے میں کثیر تعداد میں منتشر تحریروں پر مشتمل ہے اور نہ یہ کسی ایسی فاسد مغربی سازش کی نمائندگی یا اس کا اظہار ہے جس کا مقصد مشرقی زمین کو زیر تسلط رکھنا ہو بلکہ یہ ایک جغرافی شعور، معلومات اور علم کا جمالیاتی اور عالمانہ، معاشی، عمرانی، تاریخی اور لسانیات کے متعلق اصل تحریروں میں ایک طرح کا پھیلاؤ ہے"۔[1]

عام طور پر استشراق کا جو مفہوم اہل علم میں مشہور ہے وہ یہی ہے کہ مغربی مفکرین کا مشرقی علوم کے مطالعے اور تحقیق و تفتیش کا نام استشراق ہے۔جدید لغات میں بھی اس کا یہی مفہوم اختیار کیا گیا ہے۔کیمبرج ایڈوانس

[1] W.Said Adwerd, Orientalism (UK: Penguin Books Ltd, 2003), P.19.

لرنرس ڈکشنری کے مطابق:

"The scholarly knowledge of Asian cultures, languages and people"[2]

"ایشیائی لوگ، ثقافت اور زبان کے عالمانہ مطالعے کو(استشراق) کہتے ہیں"۔

عربی زبان کی لغت ' المنجد' کے مطابق:

العالم باللغات والآداب والعلوم الشرقية والاسم الاستشراق[3]

مغربی عالم کی طرف سے مشرقی علوم وثقافت اور ادب کا مطالعہ استشراق کہلاتا ہے۔ مغربی مگر غیر مسلم عالم جو مشرقی علم حاصل کرے اسے مستشرق کہا جاتا ہے۔ مگر بائبل، یہودیت اور عیسائیت کی جائے پیدائش بھی مشرق ہی ہے ۔تورات وانجیل میں بیان کیے گئے تمام حالات وواقعات اور مقامات کا تعلق بھی مشرق سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود بائبل یاعیسائیت ویہودیت کے عالمانہ مطالعے کو کوئی بھی استشراق کے نام سے موسوم نہیں کرتا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ استشراق کی اس تحریک کے مقاصد سراسر منفی ہیں، مستشرقین اپنے ان مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کا بنیادی مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کا صرف تحقیقی مطالعہ ہی نہیں، بلکہ ان تعلیمات کو شکوک و شبہات سے دھندلانا، مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور غیر مسلم لوگوں کے سامنے اسلام کا منفی تصور پیش کر کے انہیں اسلام قبول کرنے سے روکنا ہے۔

کچھ نامور مستشرقین اوران کی کتب:

نبی(محمد ﷺ) اور خلافہ کارمانہ

مشہور مستشرق ھف کینڈی کی مندرجہ بالا کتاب پہلی دفعہ 1986 میں برطانیہ سے پبلش ہوئی۔اس میں

[2] "Cambridge Advanced Learner's Dictionary (4th Edition) PDF," IELTS Materials and Resources, Get IELTS Tips, Tricks & Practice Test (blog), March 14, 2016, https://ieltsmaterial.com/cambridge-advanced-learners-dictionary-4th-edition/.

[3] Louis Ma῾luf, Al Munjid (Lahore: Maktaba tul Qudosia, 2009), P-427.

آپ ﷺ کی زندگی کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے خصوصاً غزوات النبی ﷺ اور سریہ۔ مصنف نے ایک ایک غزوات و سریہ پر کافی بحث کی اور ان کی وجوہات پر روشنی ڈالی ہے مگر کہیں کہیں تو موصوف اس حد تک گئے کہ حالات و واقعات سے بھی مختلف اغراض پیش کرنے لگے ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات کے بارے میں بھی عجیب و غریب توجیحات پیش کی ہیں۔

محمد؛اسلام کا پہلا عظیم جنرل:

یونیورسٹی آف اوکلوہاما، امریکہ سے 2007 میں منظر عام پر آئی اس کتاب کے مصنف رچرڈ اے گبریل ہیں۔اس کتاب میں نبی محترم محمد ﷺ کے دور میں ہونے والی جنگوں کے نقشے بھی دئے گئے ہیں۔ عرب کی تاریخ اور ان کی حکومتی ڈھانچے سے بات شروع کی گئی ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کے مدنی دور میں ہونے والی جنگوں، ان کے اسباب اور نتائج پر بحث کی گئی ہے۔ کئی فرضی اسباب بھی پیدا کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں تو واقعات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ وہ نبوی دور کے لگتے ہی نہیں۔ نبی ﷺ کو ایک بہترین کمانڈر اور جنگجو کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

محمد (ﷺ) مدینہ میں:

1956 میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن سے منظر عام پر آنے والی یہ کتاب ڈبلیو منٹگمری واٹ کی دوسری کتاب ہے۔اس سے پہلے نبی ﷺ کی مکی زندگی کے بارے میں ان کی یاداشت موجود ہے۔ موجودِ نظر کتاب میں مصنف موصوف پیغمبرِ اسلام کو ایک کامیاب سیاستدان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی جنگی حکمت علمی اور اسبابِ جنگ پر لمبی لمبی ابحاث کی گئی ہیں۔اس کتاب میں منٹگمری صاحب نے درمیانی راستہ اختیار کیا ہے، اپنے سے ماقبل مستشرقین کی طرح تنقید و اعتراض کے نشتر نہیں برسائے اور نہ ہی سادہ انداز میں واقعات بیان کیے ہیں۔ کہیں تو اسلام کو یہودی مذہب سے جوڑا تو کہیں آپ ﷺ کو یہودی مذہب کا دشمن قرار دیا۔ بہر حال اس کتاب میں آپ ﷺ کی مدنی زندگی کے تقریباً تمام واقعات کو تنقیدی پہلوؤں سے جائزہ لے کر پیش کیا گیا ہے۔

غزوات النبی ﷺ کا مطلب و مفہوم:

غزوہ کی جمع غزوات ہے غزوہ کا معنی ہے قصد کرنا اور غزوات یا مغازی کا لفظ رسول اللہ ﷺ کا بنفس نفیس کفار کے مقابلے کیلئے لشکر لیکر نکلنے کے ہیں اور یہ قصد کرنا یا نکلنا شہروں کی طرف ہو یا میدانوں کی طرف عام

ہے۔ خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔[4]

نبی ﷺ کی قیادت میں 28 غزوات ہوئے ان غزوات کا سلسلہ 8 سال تک جاری رہا (2 ہجری تا 9 ہجری)۔ ان میں سنہ 2 ہجری میں سب سے زیادہ غزوات پیش آئے (8 غزوات)۔[5]

غزوات النبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات:

غزوات النبی ﷺ کے بارے میں مستشرقین یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان جنگوں کا مطلوب و مقصود دنیاوی مال و دولت حاصل کرنا تھا:

“A lot of expeditions were merely to "capture booty”[6]

"(غزوات النبی ﷺ) میں سے اکثر جنگیں صرف مال وزر کے لیے لڑی گئیں"

تعصب کی عینک اتار کر اعداد و شمار کا جائزہ لیا جائے تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کے دور مبارک میں کسی ایک لڑائی کا مقصد بھی دنیاوی مال و غنیمت نہیں تھا۔ اگر ان جنگوں میں غرض مال و متاع ہوتا تو آپ ﷺ قریش و غیر مسلموں کے تجارتی قافلوں پر حملوں کا حکم فرماتے۔ فتح مکہ کے وقت جب قریش کو مکمل شکست ہو چکی تھی، ان میں لڑائی کی نہ سکت تھی اور نہ ہی حوصلہ پھر بھی آپ ﷺ نے قریش کے کسی مال و اسباب کو لوٹنے کے بجائے ان کی حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ مہاجرین کا گھر بار، مال و اسباب جس پر قریش نے قبضہ کر لیا تھا، آپ ﷺ نے اُسے بھی واپس نہیں دلوایا۔ بلکہ نبی محترم ﷺ نے مختلف اوقات و ادوار میں مکہ کے رہائشیوں کے لیے اناج دلوایا جبکہ اُس وقت قریشِ مکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور جنگیں جاری تھیں۔[7]

---

[4] Ahmad ibn Ali Ibn Hajar al-Asqalani, Fath ul Bari Sharh Sahih al-Bukhari (Bairut: Darul Mar-fat, 1379H), V.2,P.7.

[5] Muhammad Suleman Mansoor Puri, Rahmatul Lil Alameen (Lahore: Maktabh Islamia, 2011), V.2, P.270.

[6] Richard A. Gabriel, *Muhammad Islam’s First Great General* (Norma, USA: University of Oklahoma Press, 2007), P.

[7] Muhammad bin Ismail Bukhari, Al Jamia Al Sahih Al Bukhari (Lahore: Maktaba tul Qudosia, 2004), V.5, H.4375.

مستشرقین کے اعتراض کی اصل وجہ جنگ میں ملنے والا مال غنیمت ہے۔ در حقیقت یہ اعتراض بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ جب دو فوجیں میدان میں اترتی ہیں تو ایک فریق کی شکست لازمی ہے۔ شکست خوردہ فوج میدان جنگ میں اپنا سامان جس میں ہتھیار، کھانے پینے کی اشیاء، برتن وغیرہ اور زخمی چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر یہ سامان فتح حاصل کرنے والی فوج کے ہاتھ لگتا ہے یہ ہی وہ مال ہے جیسے مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔

اسلام سے پہلے اس مالِ غنیمت میں سے سردار اپنی مرضی کا حصہ حاصل کرتا تھا باقی دوسروں میں تقسیم کیا جاتا تھا مگر اسلام نے اس مالِ غنیمت کے پانچ حصہ مقرر کیے اور ان میں سے چار تو لڑنے والوں کے لیے ہیں اور باقی ایک حصہ کو مزید پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں سے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے، دوسرا رسول کے خاندان والوں کے لیے، تیسرا یتیموں کے لیے، چوتھا محتاجوں کے لیے اور پانچواں مسافروں کے لیے مختص کیا گیا ہے[8]۔ یعنی کل مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور رسول کے لیے پانچویں حصہ کا بھی صرف بیس فیصد ہی ملتا تھا۔

اگر دیکھا جائے تو مالِ غنیمت جو کہ اس الزام کی وجہ بنا وہ مال بھی دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس تقسیم میں محتاج، مسکین، مسافر سب شامل ہوتے تھے۔ یہ اسلام ہی کی شان ہے اس نے ہمیشہ غریبوں مسکینوں کو دیا ہے ان سے لیا نہیں۔

مستشرقین کا غزوات النبی ﷺ پر دوسرا اعتراض:

"*Jihãd* is total war aimed at exterminating all unbelievers from the face of the earth".[9]

"جہاد کا مقصد صرف زمین پر سے غیر مسلموں کی نسل کشی کرنا ہے"

مستشرقین کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے:

"The fact of primary importance in the rise of Islam

[8] "Al-Quran" (n.d.), 8:110.

[9] Majuder Suhas, ; *Jihad, The Islamic Doctrine of Permanent War* (New Delhi: South Asia Books, 1994), P.22.

is that the movement because considerable only when its originator was able to draw the sword and handle it successfully"[10]

"اسلام کے عروج میں بنیادی عنصر صرف یہ ہے کہ اولین پیروکاروں نے تلوار کا کامیاب استعمال کیا"

مستشرقین کا دعویٰ کہ "تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلا" کے نظریہ کو درست مان لیا جائے تو کئی سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں جیسا کہ:

1۔ مکہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے اور 13 سال تک ظلم و ستم برداشت کرتے رہے انہیں کس تلوار نے مسلمان کیا تھا؟

2۔ مدینہ پہنچ کر جنگِ بدر کے میدان میں مسلمانوں کے پاس کون سی تلوار تھی؟ تلوار اگر تھی تو وہ قریش کے پاس تھی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جنگِ بدر تک چودہ سال میں صرف 313 مجاہدینِ اسلام جنگ میں شریک ہوئے ہیں لیکن ایک سال بعد جنگِ اُحد میں یہ تعداد سات سو تک جا پہنچتی ہے۔ یعنی ایک سال میں تعداد دُگنی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ اضافہ کون سی تلوار نے کیا تھا؟

3۔ جنگِ اُحد میں بھی تلوار دشمن کے پاس تھی جو تعداد میں چار پانچ گنا بھی تھا اور مسلح بھی لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سی تعداد مسلمانوں سے آملتی ہے اور 2 سال بعد جنگِ خندق کے موقع پر مجاہدین کی تعداد 3 ہزار یعنی جنگِ اُحد سے بھی چار گنا ہو جاتی ہے۔

4۔ صلح حدیبیہ میں تلوار کا مسئلہ ہی سامنے نہیں آیا۔ لیکن مسلمانوں کی جمعیت میں لاتعداد اضافہ ہو گیا۔

5۔ یہودیوں سے جنگیں ہوئیں۔ ان میں بھی تلوار یہودیوں کے پاس تھی۔ ان کے ساتھ ہونے والی مشہور جنگ 'خیبر' تھی۔ جس میں مسلمان صرف چودہ سو تھے اور یہود دس ہزار۔ اس کے نتیجہ میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

6۔ فتح مکہ میں یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ قریش مکہ کو عام معافی تو مل چکی تھی۔ پھر انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے کس تلوار نے مجبور کیا۔

[10] Gray H. Louis, "Fastivals and Fasts," *Encyclopedia of Religion and Ethics* (Edinburgh, London: T & T Clark, 1940 1926), V.5, P.873.

7۔ طائف میں محاصرہ اٹھا لینے کے بعد اہل طائف کو اسلام لانے کی کیا مجبوری پیش آگئی تھی۔

مندرجہ بالا پہلوؤں پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مفروضہ حقیقت پر مبنی نہیں۔

اگر اسلام تلوار کے زور پر پھیلانا مقصود ہوتا تو اس کے لیے لازمی تھا کہ جارحانہ اقدامات کیے جاتے۔ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ دورِ نبوی میں ہونے والی جنگوں کے اسباب کیا تھے:

- غزوہ بدر، احد اور احزاب ان جنگوں میں کفارِ مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کی تو مسلمانوں کو مدافعانہ جنگیں لڑنا پڑیں کیونکہ دشمن کافروں کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اہل اسلام کا کلی طور پر استیصال کر دیا جائے۔
- غزوہ خیبر اور غزوہ مکہ دشمن کی طرف سے عہد شکنی کی وجہ سے پیش آئیں۔ یہ لوگ اگر اپنے عہد پر قائم رہتے تو یہ جنگیں بپا ہی نہ ہوتیں۔
- سریہ موتہ اور غزوہ تبوک کا سبب سفیر کا قتل اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے پیش آئیں۔ کیونکہ وہ کیا حکومت ہے جو اپنے سفیر کے قتل پر بھی خاموش رہتی ہے یا اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر پاتی۔
- غزوہ حنین (اوطاس اور طائف) میں دشمن نے خود للکارا تھا اور مسلمانوں کو جس بے سروسامانی کی حالت میں یہ جنگ لڑنا پڑی، اس کی کیفیت کچھ اس طرح سے ہے کہ:

"فتح مکہ کے فوراً بعد 'ہوازن' اور 'ثقیف' کے جنگجو قبائل نے مقابلہ کی ٹھانی اور ایک بڑے لشکر کو 'حنین' کے مقام پر لا کر پڑاؤ کیا۔ عورتیں اور بچے بھی ہمراہ لے آئے کہ کسی کو بھاگنے کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو مجبوراً جن حالات میں یہ جنگ لڑنا پڑی، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ربیعہ سے، جو ابو جہل کے بھائی تھے، تین ہزار درہم قرض لئے اور صفوان بن امیہ جو کہ ان کا رئیس اعظم تھا اور ابھی تک اسلام نہیں لایا تھا اس سے اسلحہ جنگ مستعار لیا، اس نے سو زرہیں اور اس کے لوازمات پیش کئے اس طرح آپ نے کافروں سے ہی اسلحہ اور زر نقد اُدھار لے کر یہ جنگیں لڑیں"۔[11]

- یہود سے جو غزوات ہوئے۔ مثلاً غزوہ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سب یہودیوں کی عہد شکنی اور کھلی بغاوت کے نتیجہ میں پیش آئے تھے۔

---

[11] Abdul Rehman Kelani, “Ishait-e-Islam and talwar,” Muhadith Magazine, Lahore, October 1995, P.12-19.

غور فرمائیں کہ ان میں سے کون سی جنگ جارحانہ تھی یا کس جنگ کا مقصد تلوار کے زریعے اشاعتِ اسلام مقصود تھی۔ دراصل غزوات النبی ﷺ پر الزام تراشیاں کرنے والوں نے نہ صرف اسلام کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ تعصب نے انھیں اس حد تک مجبور کر دیا کہ وہ صاف اور سیدھی بات کو بھی نہ سمجھ سکے۔ نقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو یہ نظریہ اسلام کی بنیادی تعلیم کے ہی خلاف ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ-[12]

"دین میں کوئی جبر نہیں"

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ-[13]

"کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن بن جائیں؟"۔

اور اللہ تعالیٰ عوام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ-[14]

"جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے"

ایسے واضح ارشادات کی موجودگی میں کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہوگی اور ان واضح احکام کے بعد کسی کو اسلام لانے پر مجبور کیا ہوگا۔ مزید وضاحت کے لئے یہ آیت ملاحظہ کریں!

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ -[15]

"اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اُس کو امن کی جگہ واپس پہنچادو"۔

[12] "Al-Quran," 2:220.
[13] "Al-Quran," 10:99.
[14] "Al-Quran," 18:29.
[15] "Al-Quran," 9:6.

غور فرمایئے کہ تلوار یا دباؤ کے استعمال کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا ہے، جب ایک مشرک کسی مسلمان کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسے مجبور کرو یہاں تک کہ اسلام لے آئے یا پھر موت کے گھاٹ اتار دو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسلام کی تبلیغ پورے طور پر کر دو، مانے یا نہ مانے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ پھر اگر وہ نہیں مانتا تو بھی اس پر زیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بجائے تمہیں یہ چاہئے کہ ایسی صورت میں اسے کسی محفوظ مقام پر پہنچادو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام 'اسبق 'ایک عیسائی تھا۔ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے کیونکہ آدمی سمجھ دار اور ہوشیار تھا۔ آپ نے اسے یہ بھی کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مسلمانوں کے کام میں تم سے مدد لیں گے۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ آپ اسے کوئی اچھا منصب عطا کرنا چاہتے تھے لیکن جب اس پر اسلام پیش فرماتے تو وہ انکار کر دیتا اور آپ (لَآ إِكْرَاهَ فِي ٱلدِّينِ) کہہ کر چُپ ہو جاتے۔[16]

غزوات النبی ﷺ کا مقصد:

مسلمان مکہ میں انتہائی مظلومانہ زندگی گزار رہے تھے مگر ہجرتِ مدینہ کے دوسرے سال ہی مسلمانوں کو اپنے دفاع کرنے اور مظلوموں کی حمایت میں لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ ارشادِ ربانی ہے:

"جن سے جنگ کی جائے، اُنہیں جنگ کی اجازت دی گئی، اِس لیے کہ اُن پر ظلم ہوا ہے، اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے، صرف اِس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے"۔[17]

پھر بتدریج حکم نازل ہوا کہ اب اسلام کی شوکت اور غلبہ کے لیے جہاد کریں تاکہ دنیا سے فتنہ ختم ہو اور اللہ کی واحدانیت کو فروغ ملے:

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ ناپید ہو جائے اور دین کامل اللہ کے لیے ہو جائے"۔[18]

---

16 Abu Aalla Mododi, *Al-Jihad Fil Islam* (Lahore: Idarah Tarjuman ul Quran, 1996), P.263.

17 "Al-Quran," 22: 39-40.

18 "Al-Quran," 2: 193.

غزوات النبی ﷺ دیگر عام جنگوں کی طرح نہیں تھے جن کا مقصد قتل و غارت گری یا زمین پر قبضہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ نبیِ رحمت ﷺ کی قیادت و سیادت میں جو جنگیں لڑی گئیں وہ صرف حملہ آوروں کے حملہ کو روکنے، مدافعتی جنگیں یا پھر شر و فساد کو ختم کرنے کے لیے تھیں۔ ان جنگوں میں اسلامی احکامات کی انتہائی سختی سے پابندی کی جاتی تھی اور بے جا جانوں کے ضیاع، ضعیفوں، عورتوں، بچوں اور غزوہ میں غیر موجود افراد سے قطعی تعرض نہیں کیا جاتا تھا، اور نہ ہی مویشیوں، درختوں اور کھیتیوں کو تباہ برباد کیا جاتا تھا۔

دورِ نبوی میں کوئی شخص بھی صرف اس لیے قتل نہیں کیا گیا کہ اس کا عقیدہ یا مذہب دوسرا تھا۔ بلکہ نبی ﷺ کی طرف سے دوسرے عقائد و نظریات کے حامل لوگوں کی حفاظت کی گئی۔

لڑائی کی اجازت کے بعد اللہ نے ایک اور آیت میں اس حکم کی وضاحت فرمائی:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔[19]

"اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔

مندرجہ بالا آیت وضاحت کر رہی ہے کہ جنگ کی ابتداء مسلمانوں نے نہیں بلکہ کفار نے کی تھی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی مگر ساتھ یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ کسی پر زیادتی نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد محض دشمنی کی بناپر تم اعتدال اور انصاف کا دامن چھوڑ دو۔

لڑائی کی اجازت ملنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی حکمت عملی تیار کی اور چونکہ اس وقت مد مقابل کفارِ مکہ یعنی قریش تھے تو اولاً ان کی تجارتی راہ داری غیر محفوظ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ دوئم ارد گرد کے تمام قبائل سے معاہدے کیے جانے لگے تاکہ کسی بھی متوقع لڑائی میں پڑوسی قبائل دشمن کا ساتھ نہ دیں۔ اس مقصد کے لیے مختلف دستے تشکیل دیے گئے جو مدینہ کے گرد و نواح میں گشت کیا کرتے تھے۔ یوں غزوات اور سرایہ کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ ان تمام مہمات کے حوالے سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ چند بنیادی باتوں کا خیال رکھا کرتے تھے:

19 "Al-Quran," 2: 190.

"کوئی بوڑھا، کوئی بچہ اور کوئی عورت قتل نہ کی جائے۔ لڑائی سے دور رہنے والی شہری آبادی کو کچھ نہ کہا جائے۔ عبادت گاہوں میں عابدوں کو نہ چھیڑا جائے۔ عہد شکنی نہ کی جائے۔ کسی کو بے گناہ نہ مارا جائے۔ بدکاری نہ کی جائے۔ نماز روزہ کی پابندی کی جائے۔ کسی مذہب میں مداخلت نہ ہو۔ کسی گرجے یا مندر کو نہ گرایا جائے۔ جنگ میں کسی کی ناک کان اور اعضاء نہ کاٹے جائیں۔ دشمن کی لاشوں کو بھی دفن کیا جائے۔ ان کے مریضوں کا علاج کیا جائے۔ عین حالت جنگ میں جو امان مانگے اس کو امان دے دو بلکہ اگر ایک عام مسلمان بھی کسی کو امن دیدے تو تمام مسلمانوں کو اس کی پابندی کرنا ہوگی۔ ایسے شخص کو کوئی دوسرا مسلمان بھی قتل نہیں کر سکتا۔ رات کو حملہ نہ کیا جائے۔ صلح کی درخواست قبول کرلی جائے۔ قیدیوں سے بہتر سلوک کیا جائے"۔[20]

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوریؒ کی تحقیق کے مطابق ان 82 مہمات میں جو لوگ شہید، زخمی یا قتل ہوئے ان کی تعداد درج ذیل ہے:

نام فریق	قیدی	زخمی	مقتول	میزان
مسلمان	1	127	259	387
غیر مسلم	6564	؟	759	7323
میزان	6565	127	1018	7710

اس جدول میں صرف زخمیوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ قیدیوں اور مقتولین کی تعداد ان شاءاللہ ٹھیک ہے۔ اس جدول میں مقتولین ہر دو جانب (1018) ہے اور اسے 82 پر تقسیم کرنے سے فی جنگ 13 سے بھی کم اوسط نکلتی ہے۔[21]

دشمنوں کی تعداد اسیران کافی معلوم ہوتی ہے یعنی 6564 مگر یہ تعداد بھی جزیرہ نما عرب کی وسعت کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور چونکہ اس تعداد کے اندر بڑی تعداد یعنی 6000 ایک ہی غزوہ حنین کے قیدیوں کی ہے۔ اس

[20] Muhammad bin Abdullah Al-Khateeb, Mishkat Al Masabih, 3rd ed. (Bairut: Al-Maktabah Al-Islami, 1985), V.3.

[21] Mansoor Puri, Rahmatul Lil Alameen, V.2,P173.

لئے باقی جنگوں میں اوسط اسیرانِ جنگ 7 رہتا ہے۔ علامہ منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

"6564 قیدیوں کی تعداد کے متعلق تحقیق سے معلوم ہو گیا ہے کہ 6347 کو نبی ﷺ نے ازراہ لطف واحسان بلا کسی شرط کے آزاد فرمادیا تھا۔ صرف 2 قیدی ایسے تھے جو سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیے گئے تھیٔ۔ 215 قیدی ایسے سرہ جاتے ہیں جن کی بابت پتہ نہیں چل سکا۔ امید ہے جس ذات نے باقی سب کے ساتھ لطف واحسان فرمایا تھا اس کے الطاف سے 215 بھی ضرور بہرہ وہ ہوئے ہوں گے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کے اندرہ رہ گئے ہوں گے اس لیے ان کا شمار رہائی پانے والوں میں نہیں ہوا"۔[22]

نتائج(Results):

نبی ﷺ کے زمانے میں لڑی جانے والی جنگوں کا مقصد دنیاوی مفادات نہیں تھے جیسا کہ غزوات النبی ﷺ کے شماریات سے واضح ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود کچھ مستشرقین نے ان جنگوں کے بارے میں مختلف قیافے لگائے، الزام تراشیاں کیں جن کا مقصد سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں اور انھیں اسلام سے دور کر دیا جائے۔

محمد ﷺ نے جب مکہ کی وادی میں توحید کی آواز بلند کی تو مشرکینِ مکہ کو اس آواز میں اپنے صنم کدے ٹوٹتے نظر آئے۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ اور اس کی دعوت کے دشمن بن گئے۔ 13 سال تک مکہ میں انھوں نے توحید کے ماننے والوں پر ظلم و ستم کو برپا رکھا مگر جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہی دشمن تعاقب کرتا ہوا مدینہ بھی پہنچ گیا اور مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ مسلمانوں نے مدافعانہ انداز اپناتے ہوئے اپنا دفع کیا مگر پھر بھی جارحانہ انداز نہ اپنایا۔ اور نہ ہی کبھی مشرکینِ مکہ یا کسی اور دشمن کے مال وزر کو ہتھیانے کے لیے کوئی حملہ کیا۔ ہمیشہ احسان و کرم کا رویہ اپنایا۔ اپنے معاہد و ہمدرد قبائل کے ساتھ عہد شکنی سے باز رہے۔ یہی وہ وجوہات تھیں جس سے پورے عرب میں امن وسکون قائم ہوا۔

کچھ اسلام دشمن عناصر نے یہ الزامات گھڑے کہ دورِ نبوی ﷺ میں لڑی جانے والی جنگوں کا مقصد مال و

[22] Mansoor Puri, V.2, P.275.

متاع حاصل کرنا تھا۔ جبکہ کچھ نے یہ مفروضہ بھی قائم کیا کہ ان جنگوں کا مقصد اسلام کو پھیلانا تھا یعنی لوگوں کو زور زبردستی مسلمان کرنا تھا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے ان جنگوں میں کوئی ایک جنگ بھی ایسی نہیں جیسے مستشرقین بطورِ ثبوت میں پیش کر سکیں۔

دراصل یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے ہی خلاف۔ اسلام نے عقیدہ و نظریہ کی آزادی دی ہے۔ ہر انسان کو یہ مکمل حق و اختیار دیا ہے کہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔ لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے کسی جنگ و جدل کی نہ اجازت ہے اور نہ ہی کبھی اس کی ضرورت رہی۔ نہ ہی مسلمانوں کو یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ حصولِ دنیا کے لیے لڑیں۔ دین اسلام امن کا خواہاں ہے اور اسی امن کے قیام کے لیے قافلے روانہ کیے گئے جنھوں نے مختلف قبائل سے معاہدے کیے مگر اسی کوشش کے دوران امن کے دشمنوں سے کبھی کبھی مدبھڑ بھی ہو گئی یا پھر کبھی یہی دشمن حملہ کے لیے چڑھ دوڑے تو مجبوراً مسلمانوں کو بھی ہتھیار اُٹھانے پڑے۔ ورنہ اسلام کا منشاو مطلوب کبھی جنگ نہیں رہا

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)